قرآنی طرز زندگی کے مطابق قیادت و رہبریت کی شرائط

ڈاکٹر زاہد علی زاہدی[1]

خلاصہ :

قرآن کریم اللہ کی آخری کتاب ہے جو کتاب ہدایت ہے اور انسان اور انسانی معاشرہ کو درپیش ہر قسم کے مسائل کے لیے اس کتاب میں ہدایت موجود ہے۔ معاشرے کی ایک اہم ضرورت قیادت و رہبریت بھی ہے لہٰذا اس سلسلے میں بھی قرآن کریم میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ اس مقالے کا مقصد قرآن کریم کی روشنی میں قرآنی طرز زندگی کے مطابق قیادت و رہبریت کی شرائط کو تلاش کرنا ہے۔ اس حوالے سے جب اس کتاب کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو جابجا ایسی آیات قرآنی نظر آتی ہیں جن میں امامت، قیادت اور رہبریت سے متعلق واضح شرائط سامنے آتی ہیں۔ اگر ان کا خلاصہ کیا جائے تو وہ پانچ قسموں میں تقسیم ہو سکتی ہیں۔ پہلی خصوصیت ایمان ہے جس کہ ہر اہم ذمہ داری کے لیے لازمی ہے، دوسری خصوصیت علم ہے جس کے بغیر قرآن کے مطابق انسان ایسا ہے جیسا کہ نابینا، تیسری خصوصیت شجاعت اور شہامت ہے جو قیادت و رہبریت کے لیے ازبس ضروری ہے، چوتھی خصوصیت حسن تدبیر ہے جس سے مراد اہلیت ہے جو کسی بھی ذمہ داری کو اٹھانے کے لیے ضروری ہے اور پانچویں خصوصیت جو دراصل بہت سے خصوصیات کا مجموعہ ہے وہ ہے تقویٰ یعنی ایک الٰہی قیادت و رہبریت کے لیے ان تمام شرائط کا ہونا ضروری ہے جو تقویٰ الٰہی کا تقاضہ ہے۔ اس میں عاجزی وانکساری، وسیع القلبی، عدالت پسندی، اصول پسندی، صبر و شکیبائی اور بصیرت دینی وغیرہ شامل ہیں۔ گویا قرآن جس کو ائمہ ہدیٰ یعنی ہدایت کی طرف رہنمائی کرنے والی قیادت و رہبریت قرار دیتا ہے وہ ان تمام خوبیوں کا حامل ہوتا ہے جس ایک صاحب تقویٰ کے اندر ہونی چاہئے۔

کلیدی کلمات : قیادت، رہبریت، امامت، سیاست، حکومت

[1]) صدر شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

قرآن کریم اللہ کی کتاب اور کتاب ہدایت ہے جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کے لیے وہ سب کچھ رکھ دیا ہے جس کی کسی بھی زمانے کے انسان کو ضرورت پڑ سکتی ہے نیز انسان ترقی کرتے ہوئے اگر مریخ پر بھی پہنچ جائے تو قرآن ہی اس کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے کوئی آسمانی کتاب نازل ہونے والی نہیں ہے۔ لہٰذا اسلامی تعلیمات کے مطابق انفرادی و اجتماعی زندگی گذارنے کے لیے قرآن سے ہدایت حاصل کرنا ضروری ہے اور ہدایت کے حصول کے لیے اس کا پڑھنا، سمجھنا اور غور و فکر کرنا یعنی تدبر فی القرآن ضروری ہے۔

بعض سادہ لوح لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام فقط آخرت کے لیے ہدایت فراہم کرتا ہے اور حکومت، سیاست اور قیادت وغیرہ کے مسائل کا تعلق اسلام اور قرآن سے نہیں ہے حالانکہ دین اسلام ایک نظام زندگی ہے جس میں انسان اور انسانی معاشرے کے لیے ان تمام ہدایتوں کو جمع کر دیا گیا ہے جس کی ضرورت کسی بھی شعبہ حیات میں پڑ سکتی ہے یہاں تک کہ بیت الخلا میں بیٹھنے کے آداب بھی سکھائے گئے ہیں لہٰذا یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ معاشرے کی ایک انتہائی اہم ضرورت یعنی حکومت اور سیاست کے بارے میں کوئی ہدایت موجود نہ ہو۔ اور جب حکومت اور سیاست کی بات کی جائے تو یہ ممکن نہیں کہ قیادت و رہبریت سے متعلق ہدایت قرآن میں موجود نہ ہو کیونکہ ریاست کا قیام اور اس کا نظام و انصرام ایک لائق فائق اور صالح قیادت کے بغیر ممکن نہیں۔ جب ہم اس نقطہ نگاہ سے قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں جابجا ہدایات نظر آتی ہیں۔

اسلام سے قبل حجاز مقدس میں مرکزی قیادت کا کوئی تصور نہ تھا بلکہ قبائلی نظام رائج تھا جس میں ہر قبیلے کا سردار اس قبیلے کا قائد و رہبر سمجھا جاتا تھا تاہم قبیلہ کے سردار کا انتخاب بعض خوبیوں کو پیش نظر رکھ کر کیا جاتا تھا جن میں شجاعت، سخاوت اور علم کو اہمیت دی جاتی تھی البتہ اس کے باوجود لوگ ذاتی اثر و رسوخ کے سبب قبیلہ کا سردار بن جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام نے اپنے بنیاد نصاب یعنی قرآن کریم میں ان چیزوں کو جمع کر دیا ہے تاکہ ہر دور کے انسان ان سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے اپنے زمانے کے مطابق اہل افراد کو یہ بھاری ذمہ داری سونپ سکیں اور معاشرہ اپنے ارتقائی سفر طے کرتا ہوا کمال تک رسائی حاصل کر لے۔

قرآن کریم میں سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۶۷ کو آیہ بلغ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں خداوند عالم نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ وہ اس پیغام کو پہنچادیں جو پہلے ہی نازل ہو چکا ہے اور اگر یہ کام نہ کیا تو گویا رسالت کا کوئی کام ہی انجام نہیں دیا۔[1] متعدد روایات کی روشنی میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ یہاں حضرت علیؑ کی ولایت کو پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے۔ گویا اسلامی معاشرے کی قیادت و رہبریت کا اعلان اس قدر اہم تھا کہ پیغمبر اکرم (ص) سے کہا گیا کہ اگر یہ کام نہ ہوا تو گویا رسالت کا کوئی کام نہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ جس معاشرے کی بنیاد اللہ کے رسول نے اپنی نگرانی میں رکھی اور جس معاشرے کو زمانہ جاہلیت کے قبائلی نظام سے نکال کر مرکزی سیاسی نظام کی طرف لے کر آئے اس کی قیادت میں تسلسل ضروری تھا ورنہ امت کا شیرازہ بکھر جاتا۔ بعد کی تاریخ نے ثابت کیا کہ جب امت نے اعلان غدیر پر عمل نہیں کیا تو کس طرح اسلام کی پوستین الٹ گئی۔[2]

قرآن کریم میں واضح طور پر دو طرح کی قیادتوں کا تذکرہ ہے ایک کو ائمہ ہدیٰ کہا گیا ہے اور ارشاد ہوا کہ:

وَ جَعَلنَاهُم أَئِمَّةً يَهدُونَ بِأَمرِنَا [3]

جبکہ دوسرے کو ائمہ جور سے تعبیر کیا گیا ہے جو لوگوں کو جہنم کی آگ کی طرف لے کر جاتے ہیں:

وَ جَعَلنَاهُم أَئِمَّةً يَدعُونَ إِلَى النَّارِ [4]

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دونوں طرح کی قیادتوں میں صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض صلاحیتیں مشترکہ بھی ہوتی ہیں تاہم ائمہ ہدیٰ معاشرے کو امر الٰہی کی طرف دعوت دیتے ہیں اور جو لوگ ان کی دعوت کو قبول کر لیتے ہیں انہیں اپنی قیادت و رہبریت میں خدا کی طرف لے

---

[1] يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (سورہ مائدہ ۶۷)

[2] پوستین الٹنے کی اصطلاح حضرت علیؑ نے اپنے خطبے میں استعمال کی ہے وَلُبِسَ الْاِسْلَامُ لُبْسَ الْفَرْوِ مَقْلُوباً (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۰۸)

[3] سورہ انبیاء ۷۳

[4] سورہ قصص ۴۱

جاتے ہیں جبکہ ائمہ جور لوگوں کو آگ یعنی نار جہنم کی دعوت دیتے ہیں اور جو ان کے پیچھے چلتا ہے وہ انہی کہ ساتھ جہنم رسید ہو جاتا ہے۔ ائمہ ہدیٰ کے لیے لفظ یھدون آیا ہے جبکہ ائمہ جور کے لفظ یدعون آیا ہے جو کہ خود ان کی دعوتوں کی حقیقت کو واضح کرتا ہے۔

قرآن کریم میں خدا سے برگشتہ کرنے والی قیادت کو طاغوت کا نام دیا گیا ہے جو کہ لفظ طغیٰ سے نکلا ہے جس کا معنیٰ طغیانی و سرکشی ہے گویا ایسی قیادت خود کو خدا کے مقابل قرار دیتی ہے اور معاشرے کو بھی خدا سے برگشتہ کرتی ہے اور انسان کو خدا کے احکام سے بغاوت پر اکساتی ہے۔ نتیجتاً انسان اور انسانی معاشرہ نور ہدایت سے نکل کر کفر و شرک کی گمراہی میں پہنچ جاتا ہے۔

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ [1]

قرآن کریم تو انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا ایک مقصد اللہ کی عبادت اور طاغوت سے انکار کو قرار دیتا ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ [2]

لہٰذا الٰہی قیادت کا ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ معاشرے کو طاغوت کی غلامی سے نجات دلائے تاکہ لوگ طاغوت کی اطاعت کو چھوڑ کر خدا کی اطاعت میں داخل ہو جائیں۔

قرآن نے کفر کے اماموں سے جنگ کرنے کا حکم ہے [3] یعنی آخری مقابلہ کفر کی قیادت و رہبریت ہونا چاہئے تاکہ کفر ہمیشہ کے لیے نابود ہو جائے وگرنہ فقط کفر کے ایجنٹوں سے مقابلہ کرنے یا خاتمہ کرنے سے کفر کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیا علیہم السلام کا مقابلہ کفر کی قیادت سے ہو جاتا ہے اور اگر وہ اس مقابلے میں سرخرو ہو جائیں تو پھر ان کے زمانے میں کفر کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہ وہ مقابلہ ہے جو اسلام کی نگاہ میں مقدس ہے اور اس کی خاطر جان بھی قربان کی جاسکتی ہے۔ اس اعتبار سے ایک الٰہی قیادت و رہبریت کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے کیونکہ اسے اس جنگ کی قیادت بھی

---

[1] سورہ بقرۃ ۲۵۷

[2] سورہ نحل ۳۶

[3] فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ (سورہ توبہ ۱۲)

کرنی ہے جو کفر کے لیڈروں سے ہوتی ہے اور جس میں عالم کفر اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ وارد میدان ہوتا ہے۔

یہیں سے یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ دین اسلام ہر سطح پر ایمان باللہ کی اہمیت پر کیوں زور دیتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ہر دور میں اہل حق کی تعداد کم اور وسائل محدود رہے ہیں ایسے میں ایمان ہی کے سہارے کفر اور طاغوت کے رہنمائوں سے مقابلہ ممکن ہے۔ پس قرآن کے مطابق الٰہی قیادت کی سب سے بڑی پہچان اللہ پر ایمان ہے اور وہ خدا کی خاطر جہاد کرتے ہیں جبکہ کفار و مشرکین طاغوت کی خاطر لڑتے ہیں۔

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا [1]

قرآن نے انبیاء علیہم السلام کو اپنی اپنی امتوں کے لیے قائد و رہبر کے طور پر پیش کیا ہے اور انہیں اپنی اپنی امتوں کے لیے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔ یہ سب ہادیان برحق ایمان کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز نظر آتے ہیں۔ ان کی کامیابی درحقیقت ان کے ایمان باللہ کی کامیابی ہے نیز وہی لوگ جو اس معاشرے میں ایمان کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے ان کے ساتھی بنے۔ کمزور ایمان والے لوگ اور شکوک و شبہات میں مبتلا لوگ انبیا کی تحریک میں پیش پیش نظر نہیں آتے۔ بعض اوقات قرآن نے انبیاء کے علاوہ بھی کچھ کردار بیان کیے ہیں مثلاً ایک مثالی قیادت کے طور پر جناب طالوت کو پیش کیا گیا ہے جیسا کہ سورہ بقرۃ میں ارشاد ہوا ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ [2]

یہاں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ طالوت کو علم اور جسم کی بنیاد پر برتری دی گئی اور ان کے پاس زیادہ مال نہیں تھا۔ پس یہ دونوں صفات یعنی علم میں برتری اور جسمانی شجاعت قیادت و رہبریت

[1] سورہ نساء ۷۶

[2] سورہ بقرہ ۲۴۷

کے دو اہم ستون ہیں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ لفظ جسم یہاں شجاعت کے لیے کنایہ کے طور پر استعمال ہوا ہے البتہ پہلے زمانے میں جنگ و جدل کے لیے انسان کا جسمانی طور پر طاقتور ہونا بھی ضروری ہوتا تھا اور ہتھیار اور سواری قوت و طاقت ہی کے ذریعے موثر طور پر استعمال کیے جا سکتے تھے۔ اب زمانہ بدل چکا ہے اور جسمانی طاقت کی جگہ سائنس اور ٹیکنالوجی نے لے لی ہے تاہم جب تک قیادت و رہبریت میں شجاعت نہیں ہو گی فقط ٹیکنالوجی سے مقابلہ جیتا نہیں جا سکتا۔ بزدل قیادت کبھی جرائت مندانہ فیصلے نہیں کر سکتی خاص طور پر جہاں جان و مال کو خطرات بھی درپیش ہوں تو وہ ہمیشہ مصلحت پسندی کا شکار ہو گی اور اپنے مخالفین سے اپنے دل میں خوف محسوس کرے گی۔

اس آیت سے یہ نکتہ بھی سامنے آتا ہے کہ لفظ علم کو پہلے اور جسم کو بعد میں رکھا گیا ہے جس سے طاقت کے مقابلے میں علم کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب اپنے درباریوں کے سامنے تخت بلقیس کو لانے کا حکم دیا تو قرآن کریم کے مطابق ایک عفریت نے کہا کہ وہ دربار برخاست ہونے سے قبل تخت بلقیس کو حاضر کر سکتا ہے کیونکہ وہ قوی و امین ہے:

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ () قَالَ عِفْرِيتٌ مِنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ () قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ (۰) [1]

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قوی کے لیے بھی امین ہونا ضروری ہے ورنہ اپنی طاقت و قوت کی مدد سے خیانت بھی کر سکتا ہے تاہم اگر اس کے مقابلے میں اہل علم موجود ہوں تو پھر ان کو برتری حاصل ہو گی۔ آیت نے یہ بھی بتا دیا کہ کتاب کا تھوڑا سا علم بھی عفریت پر بھاری ہوتا ہے۔ پس اہم ذمہ داری اسی کو دی جائے گی جس کا علم زیادہ ہو۔ ایک الٰہی معاشرے میں جاہل کو کسی بھی اہم ذمہ داری پر فائض نہیں کیا جائے گا اس میں تو کوئی دو رائے نہیں۔

[1] سورہ نمل ۳۸ تا ۴۰

اسلام علم کو بہت اہمیت دیتا ہے اور قرآن کریم میں جابجا اس بات کی تصریح کر دی گئی ہے۔ کہیں کہا گیا ہے کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہوتے تو کہیں جاہل کو نابینا اور جاہل کو بینا قرار دیا گیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهِدِّي إِلَّا أَنْ يُهْدَى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ [1]

ایک الٰہی رہبر کے لیے فقط یہ کافی نہیں کہ وہ عالم ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ معلم ہو کیونکہ معاشرے میں علم کے فروغ میں بھی اس کو کردار ادا کرنا ہے جیسا کہ خداوند عالم نے اپنے رسول کے لیے فرمایا:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ [2]

علم کی اہمیت سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا تاہم یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ علم مقصود بالذات نہیں بلکہ حصول مقصد کا ذریعہ ہے جبکہ اس کے مقابلے میں تقویٰ مقصود الٰہی ہے اور وہ ہر اہم ذمہ داری کی بنیاد ہے۔ علم اگر تقویٰ کے بغیر ہو تو پھر وہ آفت ہے۔ پس قیادت و رہبریت کے لیے تقویٰ ضروری ہے بلکہ تقویٰ کا ایک اعلیٰ درجہ درکار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان، علم اور شجاعت کے بعد جتنی بھی صفات و خصوصیات ہیں وہ سب تقویٰ کے ذیل میں آتی ہیں۔ مثلاً تقویٰ کے بہت سے تقاضے ہیں ان میں سے ایک استقامت ہے۔ قیادت اور استقامت لازم و ملزوم ہیں اور قرآن کریم میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ [3]

فرشتوں کا نزول خواہ مومن کے قلبی سکون کے لیے ہو یا جنگ بدر کی طرح فتح کی نوید بن جائے دونوں صورتوں کے لیے ایمان اور استقامت کی شرط ہے۔ علامہ اقبال نے اس بات کو نہایت خوبصورتی

---

[1] سورہ یونس ۳۵

[2] سورہ جمعہ ۲

[3] سورہ فصلت ۳۰

سے بیان کیا ہے:

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

قرآن کریم کے مطابق ہر مومن کی ذمہ داری ہے کہ وہ مستضعفین کی حمایت کرے۔ مستضعفین وہ مظلوم ہیں جن کو کسی سازش یا ظلم کے ذریعے کمزور کر دیا گیا ہے اور اب وہ اس طرح بے بس ہیں کہ ظالموں کا مقابلہ نہیں کر پا رہے ہیں۔ ایک عام مسلمان کو بھی ان کی پشت پناہی کا حکم دیا گیا ہے پس ایک الٰہی قیادت و رہبریت کا فریضہ حمایت سے کہیں زیادہ ہے یہاں تک کہ قرآن کریم جن مواقع پر کسی سے جنگ کرنے کو لازمی قرار دیتا ہے ان میں سے ایک مقام مستضعفین کی مدد و نصرت ہے، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا[1]

قرآن کے مطابق قائد و رہبر کو اخلاق پسندیدہ کا حامل ہونا چاہئے تاکہ لوگ اس کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر اس کے گرد جمع ہوں اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ بد اخلاق اور بد کردار لوگوں سے لوگ متنفر ہوتے ہیں اور ان سے دور بھاگتے ہیں قرآن کریم نے رسول اکرم کے لیے فرمایا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ[2]

قیادت و رہبری کے لیے تواضع و بردباری بھی ایک بنیادی شرط ہے اور یہ بھی تقویٰ کا ہی تقاضہ ہے کیونکہ خداوند عالم کو تکبر پسند نہیں ہے۔ تکبر کا معنیٰ خود کو بڑا سمجھنا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ کوئی بھی مخلوق خدا کے سامنے بڑی نہیں ہے اسی لیے خدا کو یہ پسند ہے کہ انسان متکبر ہو، شیطان کے

---

[1] سورہ نساء ۷۵

[2] سورہ آل عمران ۱۵۹

لیے کہا گیا ہے کہ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ (اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا)۔[1] بڑا صرف خدا ہے اور اسی کو تکبر کرنا زیب دیتا ہے۔ انسان کے لیے یہی سب سے بڑی بات ہے کہ وہ عبد بن جائے۔ محمد رسول اللہ بھی عبد تھے اور عاجزی اور انکساری کے پیکر تھے۔ ہر دور میں قیادت و رہبریت کے دعویدار کو تواضع اور انکساری کا اظہار کرنا ہوگا پھر تو وہ کامیاب ہوگا ورنہ تکبر کرنے والے کا انجام شیطان اور فرعون والا ہوتا ہے۔

اسلام اور قرآن کی نگاہ میں قائد و رہبر کے اندر سوز دروں یا درد دل ہونا چاہئے اور اپنی امتوں کے لیے خیر خواہی ہونا چاہئے۔ انبیا علیہم السلام کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی امتوں کے لیے اس قدر سوز و گداز رکھتے تھے کہ ان کی غلط کاریوں کے باوجود ان کے لیے عذاب الٰہی طلب نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ جب بات انتہا کو پہنچ جاتی تھی تو پھر عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو اللہ نے چالیس سال تک بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کا ساتھ نہیں چھوڑا بلکہ ان کے ساتھ رہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اپنی مشرک امت، جنہوں نے ان کو اللہ کا بیٹا بنا دیا اور عبادت شروع کر دی، کے لیے بھی خدا سے در پردہ سفارش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ () مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ () إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ()[2]

رسول اکرم کی تو کیا بات ہے کہ خداوند عالم ان کے لیے فرماتا ہے:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ[3]

---

[1] سورہ بقرہ ۳۴

[2] سورہ مائدہ ۱۱۶ تا ۱۱۸

[3] سورہ شعرا ۳

یہاں باخع سے مراد یہ ہے کہ گویا اپنے آپ کو ہلاک کرلیں گے تاکہ کسی طرح یہ لوگ مومن ہو جائیں یہ ایک قائد ورہبر کی اپنی قوم سے عشق و محبت کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ کس طرح اپنی قوم کی فلاح چاہتا ہے اور اس کی خاطر کہاں تک جاسکتا ہے۔

قیادت ورہبری کے لیے وسعت قلبی ضروری ہے۔ تنگ دل انسان اسلام کی نگاہ میں رہبریت کے لیے اہل نہیں ہے کیونکہ وہ پوری امت کا امام ہوتا ہے اور اس کے دل میں امت کے ہر فرد کے لیے گنجائش ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں پیغمبر اکرم کے لیے خداوند عالم فرماتا ہے أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ[1] کیا ہم نے آپ کے کو شرح صدر عطا نہیں کیا؟ ایک الٰہی رہبر کبھی قوم پرستی یا فرقہ پرستی میں نہیں پڑتا وہ تو پوری انسانیت کی بات کرتا ہے۔ اللہ نے اپنے رسول کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا، قرآن کو پوری انسانیت کے لیے ہدی للناس بنایا۔ امام مہدی عج اللہ فرجہ شریف کی حکومت عالمی حکومت ہو گی اور وہ پوری انسانیت کے لیے نجات دہندہ بن کر آئینگے۔ ان کی غیر موجودگی میں بھی امت کے رہبر و قائد کو عالمی سوچ کا حامل ہونا چاہئے۔ تنگ نظری کے ساتھ یہ کام نہیں ہو سکتے۔

رہبریت کے لیے عدالت خواہی اور انصاف پسندی ضروری ہے۔ ظالم کے لیے تو امامت ثابت نہیں ہے جیسا کہ خداوند عالم نے حضرت ابراہیم سے فرمایا: لا ینالُ عَهْدِی الظّالِمِینَ[2] یہ عہدہ امامت ظالموں تک ہر گز نہیں پہنچے گا۔ پس قرآن کریم کے مطابق قیادت ورہبری کے لیے عدل و انصاف کا خوگر ہونا ضروری ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ الملك یبقیٰ مع الکفر ولا یبقیٰ مع الظلم ، حکومت کفر کے ساتھ تو چل سکتی ہے لیکن ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ محققین نے اس کے حدیث ہونے سے انکار بھی کیا ہے اور بہت سے علماء نے اس کو قبول بھی کیا ہے تاہم یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ کفر کی حکومت اگر عدل و انصاف برقرار رکھے تو پائیدار ہوتی ہے لیکن ظلم کی عمر کم ہوتی ہے۔ ایک الٰہی رہبر کبھی ظلم کے نظام کو پسند نہیں کرتا بلکہ ظلم کے خلاف بغاوت کرنا اپنا فریضہ سمجھتا ہے۔ یہ تو کسی طور پر بھی ممکن نہیں کہ کوئی الٰہی رہبر ظلم کے

---

[1] سورہ انشراح ۱

[2] بقرہ/۱۲۴

نظام کا حصہ بنے یا اس کا آلہ کار بنے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ طاغوتی نظام ہے اور وہ طاغوت سے جنگ کرنے والا۔

رہبر و قائد کے لیے فقط یہ کافی نہیں کہ وہ ظالم نہ ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانے کے لوگوں کو ظلم کی چکی سے نجات دلائے اور ان پر پڑی ہوئی ظلم و ستم نیز جہالت و توہمات یا کفر و شرک کی زنجیروں کو اتار پھینکے اور انہیں خرافات سے نجات دلائے۔ یہ بات اس آیت میں کہی گئی ہے:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ [1]

قرآن کریم تو انبیا علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی عادلانہ معاشرے کا قیام بتاتا ہے اور کہتا ہے:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ [2]

اسلام میں قیادت و رہبری کے لیے جو ہدایات آئی ہیں ان میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اصولوں پر شدت پسندی کا مظاہرہ کرنے والا ہوتا ہے اور کبھی بھی اصولوں پر سودے بازی نہیں کرتا اور مصالحت کی کوئی کوشش ممکن نہ ہو تو پھر قاطعیت کے ساتھ اعلان کر دیتا ہے لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ۔ [3]

ایک الٰہی رہبریت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اہل ایمان اور مخلص ساتھیوں کے لیے نرمی اور عاجزی کا مظاہرہ کرتا ہو لیکن جب دشمنان اسلام کا سامنا ہو تو پھر شدت پسندی کا مظاہرہ کرتا ہو۔ قرآن کریم واضح طور پر اعلان کر رہا ہے:

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ

---

[1] سورہ اعراف ۱۵۷

[2] سورہ حدید ۲۵

[3] کافرون/۶

فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا[1]

علامہ اقبال نے اس بات کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے:

ہو حلقہ یاراں تو ابریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

اسلام میں کسی بھی عہدے پر فائز ہونے کے لیے مندرجہ بالا صفات و خصوصیات کے ساتھ ساتھ حسن تدبیر یعنی اہلیت ضروری ہے۔ نااہل اور بے صلاحیت افراد کو ہر گز کوئی عہدہ نہیں دیا جائے گا خواہ اس کا علم اور تقویٰ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکل کر مدین پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ لوگ ایک کنویں میں اپنی مویشیوں کو پانی پلا رہے ہیں اور وہیں دو لڑکیاں اس انتظار میں ہے کہ ان کی باری آئے۔ حضرت موسیٰ نے ان کی مدد کی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دعوت دی کہ وہ ان کے والد حضرت شعیب علیہ السلام سے ضرور ملاقات کریں۔ جب موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام سے ملے تو ان لڑکیوں میں سے ایک نے کہا:

قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ[2]

اے بابا ان کو اجیر بنا لیجئے کیونکہ بہترین اجیر وہی ہوتا ہے جو قوی بھی ہو اور امین بھی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان لڑکیوں کو کیسے پتہ چلا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوی اور امین ہیں۔ جواب واضح ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جس طرح ان لڑکیوں کی مویشیوں کو پانی پلوایا اور لوگوں کو کنویں کے پاس سے ہٹایا وہ ان کی قوت کو ظاہر کرنے کے لیے کافی تھا اور جب یہ لڑکیاں اپنے والد کے پاس واپس جا رہی تھیں اور موسیٰ علیہ السلام ان کے پیچھے چل رہے تھے تو موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہوا کہ ان کی نگاہیں ان لڑکیوں کے وجود پر پڑ رہی ہیں جو غیر مناسب ہے پس انہوں نے کہا کہ میں آگے آگے چلتا ہوں اور تم دونوں مجھے پیچھے سے راستہ بتائو۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

[1] (سورہ فتح ۲۹)
[2] قصص ۲۶

امانتداری کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ یہیں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن کے مطابق اہم ذمہ داریاں اس کو دی جانی چاہئے جو قوی یعنی اہل ہو اور امین یعنی امانتدار ہو۔ قیادت و رہبری بھی انتہائی ذمہ داری کا کام ہے پس اس کے لیے بھی قوی یعنی اپنی تمام ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھنے والا اور امین یعنی قوم کی امانت جو اس کے پاس مال و دولت کی شکل میں ہے یا عزت و ناموس کی شکل میں اس میں خیانت کرنے والا نہ ہو اگر ایک مرتبہ بھی اس کی موئی معمولی خیانت بھی سامنے آجائے تو وہ نا اہل ہو جائے گا۔

قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بھی ہے جس میں عزیز مصر نے جب چاہا کہ ان کو اہم ذمہ داری عطا کرے تو انہوں نے خود فرمایا:

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ () قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ [1]

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنی خوبی گنوانا دراصل شرائط کو واضح کرنا تھا کہ جس شخص کو اہم ذمہ داری دی جارہی ہے اس کا ذمہ دار اور قابل ہونا ضروری ہے۔ قیادت و رہبری بھی ایک اہم ذمہ داری ہے اس لیے بدرجہ اتم حفیظ یعنی بہت زیادہ حفاظت کرنے والا اور علیم یعنی بہت زیادہ علم رکھنے والا ہونا چاہئے۔

یوں تو اسلام میں قیادت و رہبریت کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے تاہم قائد و رہبر کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ اجتماعی معاملات میں مشورہ کرے اور قرآن کریم اس بارے میں واضح طور پر بیان کرتا ہے:

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ [2]

قیادت و رہبریت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے اندر فصاحت و بلاغت ہو تاکہ وہ اپنی بات موثر انداز سے کرسکے تاکہ لوگوں کے دلوں میں اتر جائے اور جدال میں کامیابی حاصل ہو۔ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے:

---

[1] سورہ یوسف ۵۴ اور ۵۵

[2] سورہ شوریٰ ۳۸

اذْهَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى () قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي () وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ()
وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي () يَفْقَهُوا قَوْلِي[1]

الٰہی قیادت ور ہبریت کے لیے بصیرت نہایت ضروری ہے کیونکہ قدم قدم پر جن معاملات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس میں بصیرت کے ساتھ سمجھنا اور فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ بصیرت سے مراد دینی بصیرت بھی ہے اور سیاسی واجتماعی بصیرت بھی۔ بے شک وہ دیگر بابصیرت ساتھیوں سے مشورہ بھی کر سکتا ہے تاہم حتمی فیصلہ تو اسے ہی کرنا ہوتا ہے اس لیے بصیرت کے بغیر معاملہ نہیں چل سکتا پس ایک الٰہی رہبر کے لیے جہاں مندرجہ بالا اور بہت سی خوبیاں ہونی چاہئے وہیں بصیرت کی بھی ضرورت ہے جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے:

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ[2]

[1] سورہ طہ ۲۴تا۲۸

[2] سورہ یوسف ۱۰۸